حکیم عبدالرحمٰن خلیق

عمروؓ بن العاص

ایک معقول توجیہ

روایت کی تغلیط کے لیے گو بحث کے کچھ اور پہلو بھی ہمارے سامنے ہیں مگر زیادہ پھیلاؤ سے بچتے ہوئے ہم اگر انہی چند نکات کو غور و فکر کی بنیاد بنا لیں تو بات کو سمجھنے اور کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے میں کوئی دشواری باقی نہیں رہتی۔

لیکن بالفرض اگر روایت کی آبلہ پا ثقاہت اور اس کے جراحت اثر سلسلہ سند کے تحقق کے باوجود اس کے تقدس کو قائم رکھنے کی ہی مجبوری ہو تو کم از کم ہمیں یہ مجبوری ہرگز نہیں ہے کہ ہم روایت کے الفاظ کو معنی بھی وہیں پہنائیں جو راوی نے پہنائے ہیں اور اس کا مطلب بھی وہی قبول کر لیں جو راوی ہمیں نکال کر دے۔ ہم ایک صحابیؓ رسول اور ایک عظیم خادمِ اسلام کی نسبت جس نے اسلام کو پُرشکوہ تاریخ بخشی ہے اور جس کے جوشِ ایمانی اور جس کی غیرتِ دینی کے نقوش عرب سے لے کر افریقہ کے نقطۂ اختتام تک ہر جگہ کندہ ہیں۔ فریب کاری، دھوکہ دہی اور بد عہدی کا الزام کسی کذاب راوی کے کہے کیوں دیں جب کہ ان کے بعینہٖ الفاظ کی ایسی پاکیزہ توجیہ بھی ممکن ہے جو ایک صحابیؓ رسولؐ کے شایانِ شان ہو۔

ہمارے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم حضور علیہ السلام کے ان صحابہؓ کی نسبت بُرے خیالات کو شہرت دیں۔ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دمِ وصال تک آپ کی خوشنودی

کی سعادت حاصل رہی ہو اور یہ امر بالکل واضح ہے کہ عمرؓ انہی خوش نصیب اور بخت آور لوگوں میں سے ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبوب رکھتے تھے اور جن کی ذات سے حضور علیہ السلام کو بڑی بڑی توقعات وابستہ تھیں اور پھر اس تاریخی حقیقت سے بھی کسی کو مجال انکار نہیں ہے کہ عمرؓ نے اپنے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توقعات کو پورا کیا۔

ان حالات میں ہم یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ عمرؓ نے علیؓ کو معزول اور معاویہؓ کو بحال دیکھ کر کسی بدعہدی کا ارتکاب کیا ہے یا وہ اپنے طے کردہ فیصلہ سے منحرف ہو گئے ہیں ہم یہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ اگر یہ لفظ عمرؓ کے ہی ہیں جو روایت بتاتی ہے تو ان الفاظ کو مکر جانے کے معنی پہنانے میں راوی نے کس حقیقت شناسی کا ثبوت دیا ہے۔

ہمیں یہ ہرگز باور نہیں ہے کہ عمرؓ کا اجتماع عام میں یہ کہنا کہ:۔

"علیؓ کی معزولی کی حد تک تو مجھے ابو موسےٰؓ سے اتفاق ہے مگر معاویہؓ کو میں اس کے منصب پر قائم رکھتا ہوں"

ان کے اس فیصلہ کے منافی ہے جو انہوں نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کرنے کی صورت میں ثالثی مجلس کے اندر ابو موسےٰؓ کے ساتھ مل کر کیا تھا۔

ہمارے نزدیک عمروؓ کے اس اعلان کو ان کے مکر جانے کے معنوں میں قبول کر لینا اور پھر ان الفاظ کے انہی معنی پر حصر کرنا اور ان معنوں کی نسبت یہ قرار بھی دے لینا کہ عمرو کا بھی ان الفاظ سے یہی مطلوب اور مقصود تھا۔ اگر کسی غلط فہمی کی وجہ سے نہیں ہے تو یہ محض عمروؓ دشمنی ہے اور دیانت سے انحراف کے مترادف ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ روایت نے عمرو بن العاص کے قول کو جن معنی میں قبول کیا ہے اور پھر اسے شہرت دی ہے، یہ معنی خود اس مجلس کے شرکار کو بھی قبول نہیں ہیں جن کے سامنے عمروؓ نے یہ اعلان کیا تھا اور اس کے لیے صرف یہی کہہ دینا کافی ہے کہ اس مجلس میں عمرو کے بدعہدی کو نہادِ بحث ہی نہیں بنایا گیا۔ ایک ذرا سی چپقلش کا نشان ضرور ملتا ہے۔ مگر اس سے بھی صراحت سے یہ بات سامنے نہیں آتی کہ یہ تھو کا فضیحتی کسی بدعہدی کی وجہ سے ہے یا اس کی نہادِ کار وہی گروہی تعصب ہے۔

علاوہ ازیں جیسا ہم عرض کر آئے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کے کسی ایسے قول کو جس کے نیک پہلو بھی موجود ہوں اسے کسی وجہ سے برے معنی پہنانے پر ہی اصرار کرنا اپنی شقاوتِ قلبی کا ثبوت دینا ہے۔ صحابہ تو خیر اپنی جگہ بہرحال اس رعایت کے مستحق ہی ہیں۔ ہم تو مکلف گردانے گئے ہیں کہ اگر کسی بھی مسلمان کے قول میں ننانویں قرینے کفر کے ہوں اور صرف ایک ہی قرینہ اسلام کا ہو جب بھی اسے کافر قرار نہ دینے کی گنجائش ہے اور یہاں صحابہ کے ہاں تو خیر ہی خیر ہے۔ اگر کسی پہلوے شر کا شبہ گزرے بھی تو خیر کا پہلو بہرحال شر پر غالب اور فائق مانا جائے گا۔

ہم پیچھے حضرت امام ابوحنیفہ کی حیات کا ایک واقعہ عرض کر آئے ہیں کہ انہوں نے کس طرح حضرت علیؓ کی زندگی کے ایک سچے واقعہ کو بھی بکثرت بیان پر اعمش کو سخت ملامت کی۔ پھر قبل ازیں ہم مسلم کی ایک حدیث کے حوالہ سے بھی اشارہ عرض کر آئے ہیں کہ ائمہ دین نے کس طرح حضرت امیر معاویہؓ کے ایک قول کو جس میں ان کی ذم کا ایک پہلو نمایاں تھا۔ ایک نہایت ہی بلیغ تاویل کے ساتھ اس کا قابل قبول ہونا ثابت کیا ہے اور اس تاویلِ لطیف سے وہ قول کچھ بھی قابل اعتراض نہیں رہ سکا۔ حضرت سعد بن وقاص راوی ہیں کہ:۔

أَمَرَ مُعَاوِيَةُ ابْنُ أَبِيْ سُفْيَانَ سَعْدًا. فَقَالَ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسُبَّ أَبَا التُّرَابِ [1]

یعنی حضرت معاویہؓ نے سعد سے کہا کہ تم ابو تراب (علیؓ) کو برا کیوں نہیں کہتے؟

اپنے ظاہری معنی کے اعتبار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہؓ حضرت سعد کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ علیؓ کو برا بھلا کہیں۔

مگر کیا واقعی بھی یہی ہے اور کیا ایسا ممکن ہے کہ معاویہؓ ایسی ناز یبا راہ اختیار کریں جبکہ وہ علیؓ کے شرف و مجد اور ان کی بزرگی سے خوب ہی آگاہ ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ علیؓ کے ساتھ جنگ سے قبل بھی اور بعد بھی امیر معاویہؓ کی زبان سے علیؓ کے لیے کلمات خیر و خوبی ہی منقول

---

[1] مسلم جلد ۲۔ فضائل علی ابن ابی طالب۔

ہیں۔

نہج البلاغہ میں حضرت علیؓ کے نام حضرت امیر معاویہؓ کا وہ خط آج بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے جس میں حضرت امیر معاویہؓ حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ:۔

أَمَّا شَرَفُكَ فِي الْإِسْلَامِ وَقَرَابَتُكَ مِنَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَلَسْتُ أَدْفَعُهُ

یعنی میں آپ کے شرف دینی اور قرابتِ رسولؐ کا منکر نہیں ہوں۔

ایسے میں یہ کیونکہ ممکن ہے کہ معاویہ علی کے حق میں سبّ وشتم پر عامل ہوں۔ یا کسی کو اس کے لیے کہتے ہوں۔ ہمارے نزدیک اس کے علاوہ خود روایت میں "ابا التراب" کا جملہ ہی حضرت امیر معاویہؓ کی حسنِ نیت کا گواہ ہے۔ حضرت علیؓ کو یہ خطاب بڑا ہی محبوب تھا۔ اور وہ ہمیشہ پسند فرمایا کرتے تھے کہ لوگ انہیں علی کی بجائے ابو التراب کہیں کیونکہ یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علیؓ سے انتہائی محبت کی یاد دلاتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے ایک دفعہ حضرت علیؓ کو مسجد میں فرشِ خاک پر سوتے پایا اور محبت سے ان کے پاس جا بیٹھے پھر پیار سے انہیں جگایا۔ ان کا جسم مسجد کے کچے فرش کی مٹی سے آلودہ تھا۔ حضور علیہ السلام اس مٹی کی نسبت سے انہیں جوشِ محبت میں ابوتراب کہہ کر آواز دی اور پھر علیؓ نے اس لقب کو اتنا پسند کیا کہ اسے اپنی زندگی کی محبوب پونجی بنا کر رکھا اور پھر کوئی اگر آپ کو ابوتراب کہتا تو آپ بے حد خوش ہوتے۔

معاویہؓ اس صورت حال سے یقیناً آگاہ تھے۔ وہ اگر علیؓ کی نسبت برا خیال کرتے اور ان کی برائی کے لیے تلقین کرتے تو کبھی ابوتراب کے لقب سے انہیں یاد نہ کرتے۔

اس مرحلہ پر امام نوویؒ نے ان الفاظ کی تاویل کرتے ہوئے شرح صحیح مسلم میں تحریر کیا ہے کہ:۔

معاویہؓ نے سعد کو یہ حکم نہیں دیا کہ وہ علیؓ کو برا کہے بلکہ برا نہ کہنے کا سبب دریافت کیا ہے (یعنی معاویہؓ کو معلوم ہوا کہ سعدؓ ابوتراب کی برائی نہیں کرتے تو آپ نے ان سے پوچھا) کہ تم علیؓ کو اس سے ڈرتے برا نہیں کہتے یا کوئی دلیل

ایسا کرنے سے مانع ہے"؟

علاوہ ازیں ہو سکتا ہے کہ سعدؓ دراصل اس گروہ سے تعلق رکھتے ہوں جو علیؓ کو برا کہتا تھا مگر سعدؓ اس سے پرہیز کرتے تھے اور اگر اس روایت کو یہی معنی پہنائے جائیں کہ معاویہؓ دراصل سعدؓ سے یہ مطالبہ کرتے تھے تو پھر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تم ان کی اجتہادی خطا کو بیان کیوں نہیں کرتے۔

یہی صورت حال یہاں درپیش ہے۔ عمروؓ ایک عظیم صحابی ہے۔ ایک بلند مرتبہ مسلمان ہے۔ ایک مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔ ایک تاریخ ساز شخصیت ہے۔ رسول علیہ السلام کا محبوب ہے، حضور علیہ السلام سے سندِ خوشنودی کی سعادت سے بہرہ ور ہے۔ اس کی حیات کی ہر ہر گردش ایک ایک کروٹ خدمتِ دینِ مبین کی مظہر ہے، وہ اسلام کے لیے ہی جیا اور اسلام کے لیے ہی مرا تو یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ اس پایہ کے بزرگ کے دامن پر ایسی تہمت رکھ دی جائے جسے ذکر کرتے بھی شرفِ انسانی کو حیا دامن گیر ہو۔ بڑا تعجب ہے کہ ہمیں اتنی بڑی شرمناکی اتنے بڑے محب و محبوب رسول کی طرف منسوب کرتے لرزہ طاری نہ ہو جسے کوئی معمولی درجہ کا شریف آدمی بھی اپنے دامن سے وابستہ دیکھنا گوارہ نہ کرے۔ پس ہو سکتا ہے کہ عمرو بن العاص نے جس بات پر اتفاق کیا تھا۔ وہ علیؓ کی موجودہ اور معاویہؓ کی متوقع خلافت سے محرومی کا مسئلہ یعنی انہوں نے یہ طے کیا ہو کہ علیؓ کو خلافت سے معزول کر دیا جائے اور معاویہؓ کو یہ اعزاز میسر نہ کیا جائے اور جب انہوں نے یہ اعلان کیا کہ میں معاویہؓ کو قائم رکھتا ہوں تو اس سے ان کا مطلب دراصل یہ تھا کہ جہاں تک معاویہؓ کے موجودہ منصب یعنی کوفہ کی گورنری کا تعلق ہے، اسے خلافت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ ایک ذیلی مسئلہ ہے جو کوئی بھی خلیفہ ہو گا کوفہ اور اس کا گورنر اس کے ماتحت ہوں گے ولہذا علیؓ کی معزولی کے ساتھ ساتھ اگرچہ معاویہؓ کو خلافت کا موقعہ تو ہرگز نہ دیا جائے گا مگر بحالاتِ موجودہ میں معاویہؓ کو اس کے عہدہ امارت سے برطرف کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔

اور یہ تاویل اس اعتبار سے بھی مناسب حال ہے کہ علیؓ معاویہؓ کو کوفہ کی امارت سے معزول کرنے کے احکام پہلے ہی جاری فرما چکے تھے اور وہ اب انہیں ایک غاصب اور باغی

سمجھتے تھے جس نے بغاوت کی راہ اختیار کر کے حق حکومت حاصل کر لیا ہے اور مرکزی حکومت کے احکام کا احترام نہ کر کے ملک کے ایک حصہ پر جبری قبضہ کر رکھا ہے۔ علیؓ یہ چاہتے تھے کہ معاویہؓ سے ہر شے چھین لی جائے اور اس حقیقت سے انکار ہرگز ممکن نہیں کہ جب بعض خیر طلب بزرگوں نے معاویہؓ کی معزولی کے احکام جاری کرنے کے مرحلہ پر حضرت علیؓ سے بزور اور باادب درخواستیں کیں کہ آپ کم از کم معاویہؓ کو ابھی معزول نہ کریں کیونکہ بحالات موجودہ آپ کا یہ قدم بہتر نتائج پیدا نہیں کر سکے گا تو حضرت علیؓ کا جواب تھا کہ :-

"خدا کی قسم معاویہؓ کو تلوار کے سوا اور کچھ نہ دوں گا۔" [1]

اس پس منظر میں یہ بات بالکل قرینِ قیاس ہے کہ شاید حضرت علیؓ کے ماموں نے کسی مرحلہ معاویہؓ کی امارت کو بھی کالعدم کرنے کی رائے دی ہوگی مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمروؓ نے ان کا یہ مطالبہ ماننے سے انکار کیا ہے۔

عمروؓ کی اس روش سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ خلافت کی حد تک معاویہؓ کے مقابلہ میں ان کا رجحان علیؓ کی طرف ہی تھا مگر چونکہ اس مرحلہ پر حضرت علیؓ کی ذات ایک متنازعہ مسئلہ کی صورت اختیار کر چکی ہوئی تھی اور خود حضرت علیؓ کے مقرر کردہ ثالث کے نزدیک بھی ان بے قابو حالات کا علاج اب اقتدار کی تبدیلی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ اس لیے عمروؓ بھی یہ مان گئے کہ اب اگر علیؓ کی معزولی کے بجز چارہ نہیں رہ سکا تو ان کے بعد بطور خلیفہ معاویہؓ کو بھی پسند نہیں کیا جائے گا اور یہی اعلان انہوں نے اجتماع عام میں کیا ہے کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کی خلافت کا اب کوئی سوال نہیں۔ البتہ معاویہؓ کوفہ کے امیر بدستور رہیں گے۔

سوال کیا جا سکتا ہے کہ عمروؓ کا یہ آخری جملہ جس کے بموجب معاویہؓ کی امارت کو باقی رکھنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ اگر کوئی ایسی بات سامنے آ چکی تھی تو یہ امر ابوموسیٰ کے علم میں کیوں نہیں تھا؟ جواباً گزارش ہے کہ یہ جملہ نہ تقریر کا جزو ہے نہ اعلان کا حصہ بلکہ یہ ایک وضاحت ہے۔ جس کا اظہار یہاں اعلان عام کے وقت پیدا ہونے والی اس غلط فہمی کے ازالہ کے

---

[1] طبری جلد ۴ باب ۲

بطور ہو رہے کہ علیؓ اور معاویہؓ کی خلافت کا قصہ ختم سہی مگر معاویہ کی امارتِ کوفہ کی نسبت کیا خیال ہے۔ عمروؓ نے بتایا ہے وہ ایک جدا مسئلہ ہے۔ اس لیے وہ قائم رہے گی۔

ضمناً یہاں ایک اور سوال بھی ابھرتا ہے کہ اگر ایسا ہی تھا تو ابو موسےؓ نے عمروؓ کے اس اظہار پر یہ کیوں فرمایا کہ:۔

"تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے"

اس سے تو ظاہر ہے کہ یہ بات عمروؓ نے باہمی قرارداد سے زائد کی ہے اور ایسی کوئی بات ابو موسےؓ کے علم میں اس سے قبل نہیں آسکی تھی۔

جواب یہ ہے کہ ابو موسےؓ کے اس جملہ سے یہ ہرگز ظاہر نہیں ہوتا کہ مسئلہ کا یہ پہلو ان کے علم میں نہیں تھا۔ بلکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ان باتوں کے لیے وہاں کوئی فیصلہ کن صورت اختیار نہیں کی گئی تھی۔ مجلس ثالثی کے تفصیلی مباحث سے ظاہر ہے کہ وہاں از اول تا آخر صرف خلافت کا مسئلہ ہی گفتگو کا محور بنا رہا ہے۔ ذیلی مسائل کا تذکرہ وہاں نہیں آیا یا اگر آیا ہے تو اسے قابلِ ذکر نہیں سمجھا گیا اور غیر ضروری اور غیر اہم ہونے کی وجہ سے اسے ضبطِ تحریر میں بھی نہیں لایا گیا۔

اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان مسائل کو قرارداد کا حصہ نہ بنانے کی وجہ بنیادی مسئلہ پر حکمین کا اتفاق ہو جانا تھا۔ کیونکہ جب خلافت کی بحث ختم ہو چکی تو اب قرارداد کو ادھر ادھر کے مسائل سے بوجھل بنانا کیا ضرور تھا اور یہ بات بھی قرینِ قیاس ہی ہے کہ ایسے مسائل کا تذکرہ اعلانِ عام کے وقت پروگرام سے ہی خارج ہو مگر یہاں صورتِ حال کچھ ہمارے ہاں کی پریس کانفرنس ایسی بن گئی نظر آتی ہے جب کہ بعض ضمنی باتیں بیان کرنے کی نوبت آ گئی اور ہو سکتا ہے کہ ابو موسےؓ اس معاملہ میں عمروؓ سے متفق نہ ہوں مگر اس پر زیادہ بحث نہ ہو سکی ہو اور یہ معاملہ اپنی جگہ رہ گیا اور چونکہ اس ضمنی مسئلہ میں عمرو کی یہی رائے تھی کہ معاویہؓ کو قائم رہنا چاہیے۔ اس لیے انہوں نے بطور دفع دخلِ مقدر یہاں اپنی صواب دید کا اظہار کر دیا اور ان کے نزدیک شاید ان کے اس موقف سے ابو موسےؓ کی طرف سے مزاحمت بھی متوقع نہیں ہو گی۔ لہٰذا بطورِ اظہارِ واقعہ وہ ایک منہ آئی بات کہہ گئے مگر دوسری

طرف چونکہ ابو موسیٰ کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ گفتگو کسی مرحلہ پر اس موڑ بھی مڑ سکتی ہے اور یہ مرحلہ چونکہ اچانک ہی ان کے سامنے آگیا۔ اس لیے وہ بجا طور پر پریشان ہوئے اور انہوں نے دہوکہ کی اصطلاح شاید اپنی بے خبری کے معنوں میں بھی استعمال کی ہے ورنہ وہ صرف اتنی سی بات کہہ کر قصہ ختم نہ کر دیتے بلکہ اپنے مخاطبین کو عمروؓ کی بدعہدی اور عہد شکنی کی پوری تفصیل مہیا کرتے۔ ان کا بعد کہ یہی تھا کہ انہوں نے مسئلہ کے اس پہلو پر پورا غور نہیں کیا تھا، اور نہ وہ اس اعتبار سے کسی نتیجہ پر پہنچ سکے تھے مگر دوسری طرف اجلاس عام میں حالات اور واقعات کی کروٹ نے عمروؓ کو اپنا موقف پیش کرنے کی مجبوری پیدا کر دی۔

بنابریں عمرو کا یہ قول محض ایک اظہار واقعہ ہے۔ یہ نہ کوئی سازش ہے نہ بدعہدی فیصلہ کے بین السطور میں ایک غلط فہمی پوشیدہ تھی۔ عمروؓ نے یہ گرہ کھول دی اور بس مگر ابو موسیٰؓ کو عمروؓ کے اس اظہار سے اتفاق نہ ہو سکا۔ (جاری ہے)

فقه الحديث

کہ نیت سے مراد زبان سے کچھ مخصوص الفاظ ادا کرنا نہیں بلکہ دلی ارادہ ہے یعنی دل میں اس بات کا خیال ہونا کہ اب میں شرعی طریقہ سے وضو کرنے لگا ہوں۔

وهي عمل قلبي محض لا دخل للسان فيه [1]

اور نیت و ارادہ قلب کا فعل ہے جس میں زبان کا کوئی حصہ نہیں۔

---

[1] فقہ السنہ ص۴۳